''فتاویٰ رضویہ'' اور علومِ حدیث

حامد علی: شعبہ علومِ اسلامی، کلیہ معارفِ اسلامیہ، جامعہ کراچی

سرزمین ہندوستان بڑی زرخیز رہی ہے، بڑے بڑے نامور اہل علم اور اربابِ فکر دانش یہاں پیدا ہوئے اور عالمِ اسلام میں نام پیدا کیا۔ ان ہی نامور شخصیات میں ایک مولانا احمد رضا حنفی ہیں، جو چودہویں صدی ہجری کے معروف اہل علم افراد میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ہم ذیل میں ان سے متعلق لکھتے ہیں، پھر ان کے مشہور و معروف فتاوی کے بارے میں علومِ حدیث کے حوالے سے چند باتیں ذکر کریں گے۔

پیدائش: مولانا احمد رضا خان حنفی کی ولادت ہفتہ کے دن بوقتِ ظہر بانس بریلی (ہندوستان) کے محلّہ جسولی میں، ۱۰ر شوال المکرّم ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء میں ہوئی۔ (1)

تعلیم و تربیت: مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا نقی علی خان صاحب سے حاصل کی۔ مرزا غلام قادر بیگ سے ناظرہ پڑھا اور ۱۲۷۶ھ میں تقریباً چار سال کی عمر میں قرآن کریم کا ناظرہ ختم کیا۔ اپنے والد کے علاوہ دیگر اساتذۂ کرام سے علومِ نقلیہ و عقلیہ کی تعلیم حاصل کی اور ۱۲۸۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اس وقت عمر صرف تیرہ سال، دس ماہ اور پانچ دن تھی۔ مولانا احمد رضا خان حنفی کے اساتذہ میں آپ کے والد مولانا نقی علی خان کے علاوہ مرزا غلام قادر بیگ، شاہ آلِ رسول مارہروی، شاہ ابوالحسین احمد نوری اور مولانا عبدالعلی رامپوری تلمیذِ علامہ فضل حق خیرآبادی قابلِ ذکر ہیں۔ (2)

وصال: ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ بمطابق ۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۱ء، جمعہ کے دن ہندوستان کے معیاری وقت کے مطابق ۲ ربج کر ۳۸ منٹ پر، عین اذان کے وقت جوں ہی موذن نے حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کہا، اسی وقت مولانا احمد رضا خان نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ (3)

اربابِ علم و دانش کے کلماتِ ثنا:

محدثِ اعظم کچھوچھوی کہتے ہیں:

''علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جتنی حدیثیں فقہِ حنفی کی ماخذ ہیں ہر وقت پیش نظر اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے، اُن کی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت از بر۔ علمِ حدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے۔ آپ کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح و تعدیل کے جو الفاظ فرما دیتے، اُٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب و تہذیب اور تذہیب میں وہی لفظ مل جاتا، اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت۔۔۔ الخ''۔ (4)

سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''وہ نہایت کثیر المطالعہ، وسیع المعلومات اور متبحر عالم تھے۔ رواں دواں قلم کے مالک اور تصنیف وتالیف میں جامع فکر کے حامل تھے۔ ان کی تالیفات ورسائل کی تعداد بعض سوانح نگاروں کی روایت کے مطابق پانچ سو ہے، جن میں سب سے بڑی کتاب فتاویٰ رضویہ کئی ضخیم جلدوں میں ہے۔ فقہِ حنفی اور اس کی جزئیات پر معلومات کی حیثیت سے اس زمانہ میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ ان کے فتاویٰ اور 'کفل الفقیہ الفاہم' اس پر شاہد عادل ہیں۔ الخ''۔(5)

مولانا کوثر نیازی (سابق وزیر اطلاعات ونشریات، پاکستان) اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں:

''بریلی میں ایک شخص پیدا ہوا، جو نعت گوئی کا امام تھا اور احمد رضا خان بریلوی جس کا نام تھا۔ ان سے ممکن ہے بعض پہلوؤں میں لوگوں کو اختلاف ہو، عقیدوں میں اختلاف ہو، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عشقِ رسول ان کی نعتوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے''۔(6)

کُتب وتصانیف:

مولانا احمد رضا خان حنفی نے پچاس سے زائد علوم وفنون میں اپنے رشحاتِ قلم یادگار چھوڑی ہیں، ان میں اہم ترین 'العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ معروف بہ 'فتاویٰ رضویہ'، کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن اور 'جد الممتار علی رد المحتار' وغیرہ ہیں۔ ہم یہاں مولانا احمد رضا کی علومِ حدیث میں کی گئی خدمات کو باعتبارِ علوم مختصراً بیان کرتے ہیں:

اُصول حدیث میں:

علم اُصولِ حدیث میں آپ کی درج ذیل کُتب قابلِ ذکر ہیں:

1۔ **اَلْهَادِ الْكَافِ فِي حُكْمِ الضِّعَافِ** (1313ھ/1895ء) (اردو) حدیث ضعیف کی شرعی حیثیت کا بیان۔

2۔ **مَدَارِجُ طَبْقَاتِ الْحَدِيْث** (1313ھ/1895ء) (عربی) کُتب حدیث کی اقسام اور اُن کے احکام۔

3۔ **اَلْفَضْلُ الْمَوْهَبِي فِيْ مَعْنَى اِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِي** (اردو)(1313ھ/1895ء) حدیث پر عمل کا طریقۂ کار اور غیر مقلدین کا رد۔

4۔ **اَلْاِفَادَاتُ الرَّضَوِيَّة فِي اُصُوْلِ الْحَدِيْث** (عربی)۔(اُصول حدیث میں افادات)

5۔ **شَرْحُ نُخْبَةِ الْفِكْر** (عربی): امام حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) کی معرکۃ الآراء نخبۃ الفکر کی شرح۔

6۔ **فَتْحُ الْمُغِيْث بِشَرْحِ اَلْفِيَةِ الْحَدِيْث** (عربی) امام حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی (متوفی

806ھ) کی بے مثال کتاب پر حواشی وغیرہ۔

اَسماءالرجال میں:

1۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (متوفیٰ 458ھ) کی کتاب **الاسماء والصفات** پر حواشی۔

2۔ امام محمد بن احمد ذہبی (متوفیٰ 748ھ) کی کتاب **تذکرۃ الحفاظ** پر حواشی۔

3۔ امام محمد بن احمد ذہبی (متوفیٰ 748ھ) کی کتاب **میزان الاعتدال فی نقد الرجال** پر حواشی۔

4۔ امام حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (متوفیٰ 852ھ) کی **الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ** پر حواشی۔

5۔ امام حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (متوفیٰ 852ھ) کی **تقریب التہذیب** پر حواشی۔

6۔ امام حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (متوفیٰ 852ھ) کی **تہذیب التہذیب** پر حواشی۔

7۔ امام حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ خزرجی انصاری (متوفیٰ 923ھ) کی **خلاصۃ تہذیب الکمال** پر حواشی۔

جرح وتعدیل میں:

1۔ امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن جوزی (متوفیٰ 597ھ) کی کتاب **کشف العلل المتناھیۃ** پر حواشی۔

2۔ امام عبدالوہاب بن محمد غوث مدارسی شیرازی کی کتاب **کشف الاحوال فی نقد الرجال** پر حواشی۔(7)

'فتاویٰ رضویہ' مخرجہ کا تعارف:

مولانا مفتی عبدالقیوم قادری ہزاروی (متوفیٰ 26اگست 2003ء) کی سرپرستی میں دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے مارچ 1988ء میں ایک ادارہ قائم کیا۔ جس میں دیگر اُمور کے ساتھ، شعبان المعظم 1401ھ/ مارچ 1990ء میں 'فتاویٰ رضویہ' کی بارہ ضخیم جلدوں کی تحقیق وتخریج اور عربی وفارسی عبارات کے ترجمہ کا کام شروع ہوا، جو تقریباً پندرہ سال کے عرصہ میں مکمل ہوا اور تیس جلدوں کی شکل میں منظرِ عام پر آیا۔

کل فتاویٰ، صفحات ومسائل:

اس بڑے فقہی شاہکار میں 21970 صفحات، 6847 سوالات وجوابات اور تقریباً 206 رسائل کے ساتھ ہزاروں مسائل ضمناً شامل ہیں۔ جلد اول جدید کی نئی کتابت اور تفصیلی ترجمہ کی ضخامت کی وجہ سے اسے دو حصوں میں شائع کیا گیا ہے، نیز تیس جلدوں کی فہارس پر مشتمل ایک الگ جلد چھاپی گئی ہے اور مسائل کے اِشاریہ پر مشتمل بھی ایک جلد شائع کی گئی ہے، جس کی وجہ سے مجموعی جلدیں تینتیس ہوگئی ہیں۔(8)

مدیر معارف (دار المصنفین، اعظم گڑھ) شاہ معین الدین احمد ندوی 'فتاویٰ رضویہ' پر تبصرہ کرتے ہوئے اظہارِ خیال کرتے ہیں:

''دینی علوم خصوصاً فقہ وحدیث پر ان کی نظر وسیع و گہری تھی، مولانا نے جس دقّتِ نظر اور تحقیق کے ساتھ علماء کے استفسارات کے جوابات تحریر فرمائے اس سے ان کی جامعیت، علمی بصیرت، ذہانت اور طبّاعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے عالمانہ، محققانہ فتاویٰ مخالف وموافق ہر طبقے کے مطالعہ کے لائق ہیں''۔(9)

علومِ حدیث:

علوم بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث اور علم حدیث کی تعریف، موضوع اور غرض وغایت وغیرہ بیان کریں پھر علوم حدیث کے بارے میں کچھ لکھیں، چنانچہ

حدیث کی تعریف:

لغۃً: لفظ حدیث عربی زبان میں قدیم کی ضد ہے، جس کا معنی نیا ہونا ہے۔اس کا استعمال کلام اور بات چیت کے معنوں میں بھی ہوتا ہے۔

اصطلاحاً: علمِ حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، تقریرات، اوصاف یا ایام کی حکایت کرنے کا نام حدیث ہے۔(10)

تقریر کا معنی:

تقریر کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی صحابی نے کوئی کام کیا یا کچھ کہا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس کام یا بات پر انکار نہ کیا بلکہ سکوت اختیار کیا۔گویا سکوت فرما کر اُسے برقرار رکھا اور اجازت عطا کر دی۔

فائدہ: صحابہ وتابعین کے اقوال وافعال کو بھی تبعاً حدیث میں شمار کیا جاتا ہے بلکہ صحابہ کرام کی تقریرات بھی اسی زمرہ میں شامل ہیں۔(11)

مذکورہ تعریف میں پانچ باتوں کو حدیث میں شمار کیا گیا ہے:

۱)قول، ۲)فعل، ۳)تقریر، ۴) وصف اور ۵)ایام، اِن تمام کی ایک ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

1) **قول:** علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

2) **فعل:** رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیر کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔

3) **تقریر:** صحیحین میں محمد بن منکدر سے روایت ہے: میں نے جابر بن عبد اللہ کو فرماتے سنا کہ اللہ کی قسم ابنِ صیاد ہی

دجال ہے، میں نے کہا: آپ بقسم یہ کہتے ہیں؟ فرمایا: میں نے حضرت عمر کو بقسم یہی بات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور کہتے سُنا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔

4) **وصف:** حضرت انس کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں میں بہت خوبصورت، بہت سخی اور بڑے بہادر تھے۔

5) **ایام:** حضرت اُمِ عطیہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی ہے، میرا کام مسلمانوں کے سامان کی حفاظت کرنا، اُن کے لیے کھانا بنانا، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا اور بیماروں کی دیکھ بھال ہوا کرتا۔(12)

حدیث کا موضوع:

موضوع کے ذریعہ فن ممتاز ہوتا ہے اور فن کی عظمت وشرافت باعتبار موضوع ہوتی ہے، چنانچہ حدیث کا موضوع بیان کرتے ہوئے امام جلال الدین سیوطی شافعی لکھتے ہیں:

واعلم أنَّ الحديث موضُوعه ذات رَسُول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من حيث إنَّه رَسُول اللّٰه.(13)

ترجمہ: حدیث کا موضوع حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے اس حیثیت سے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

علمِ حدیث کی تعریف:

حدیث کی تعریف اور موضوع معلوم ہوجانے کے بعد علم حدیث کی تعریف کی جاتی ہے، علماءِ حدیث نے اس کی تعریف یوں بیان کی ہے:

عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهٖ أقوالُ النبى صلى اللّٰه عليه وسلم وأحوالُه وأفعالُه۔(14)

ترجمہ: وہ علم جس کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، احوال اور افعال کی معرفت ہوتی ہے۔

غرض وغایت:

علم حدیث کے حصول کے چند مقاصد ہیں:

1۔ ان فضائل وخصائل کا حصول جو حاملین حدیث کے لیے حضور نے ارشاد فرمائے۔

2۔ قرآن عظیم کے مجمل احکام کی توضیح وتبیین۔

3۔ کلام محبوب ہے لہٰذا اس کلام سے حلاوت ولذت کا حصول۔

5۔ حضور اور صحابہ کرام کی اتباع اور پیروی۔

ان سب کا مرجع ومآل واحد ہے اور وہ یہ ہے کہ سعادت دارین حاصل کرنا۔(15)

علمِ حدیث کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: 1۔علمِ روایت اور 2۔علمِ درایت۔

حدیث کے سارے علوم ان ہی دونوں اقسام کے تحت آتے ہیں، مثلاً علم حدیث، اُصولِ حدیث، اسانید حدیث، تخریج حدیث، اسماءالرجال، جرح وتعدیل اور لُغتِ حدیث وغیرہ انہی میں شامل ہیں۔

1) علم روایت کی تعریف:

امام جلال الدین سیوطی شافعی تدریب الراوی کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

علم الحديث الخاص بالرواية، علم يشتمل على نقل أقوال النّبی -صلى الله عليه وسلم- وأفعاله وروايتها وضبطها وتحرير ألفاظها۔(16)

ترجمہ: یہ وہ علم ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کو نقل کیا جاتا ہے اور ان اقوال وافعال کی روایت کر کے انہیں ضبطِ تحریر میں لایا جاتا ہے۔

فائدہ: اسے علم اُصولِ حدیث، مصطلحات الحدیث (مصطلح الحدیث) بھی کہا جاتا ہے، ذیل میں اس سے متعلق قدرے تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

علم اُصول حدیث کی تعریف:

شیخ عزالدین بن جماعہ کے مطابق اس کی تعریف یوں ہے:

علم بقوانين، يُعرف بها أحوال السند والمتن.

ترجمہ: اس سے مراد ایسے اُصول وقوانین کا جاننا ہے، جن کے ذریعے سند ومتن کے وہ احوال معلوم ہوتے ہیں۔

ابن حجر عسقلانی کے مطابق اس کی بہترین تعریف یہ ہے:

معرفة القواعد والمعرفة بحال الرّاوی والمروی(17)۔

ترجمہ: ایسے قواعد کا جاننا جو راوی اور مروی (روایت) سے متعلق ہیں۔

موضوع: اس کا موضوع سند ومتن اس حیثیت سے ہے کہ انہیں قبول کیا جائے یا رد کیا جائے۔

غرض وغایت: احادیث میں سے صحیح اور غیر صحیح یا مقبول اور مردود کے درمیان امتیاز کا علم ہونا اور کذب واختلاق سے احادیث کو محفوظ رکھنا ہے(18)۔

فائدہ: اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے سبب مقبول اور مردود احادیث کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور صحیح احادیث، حسن سے اور حسن احادیث ضعیف سے ممتاز ہو جاتی ہیں۔(19)

اُصولِ حدیث کا حکم:

علماءِ حدیث نے اس علم کو فرض کفایہ علوم سے شمار کیا ہے کہ جب اُمت کے کچھ افراد یہ علم حاصل کر لیں تو باقی افراد سے فرض ساقط ہو جائے گا اور اگر سب نے اس کے حصول میں سستی اور غفلت کی تو پوری اُمت گناہگار ٹھہرے گی۔

اُصولِ حدیث کی فضیلت:

بہ اعتبار فضیلت بھی یہ علم دیگر علوم کے مقابلے میں افضل واعلیٰ ہے کیونکہ اس میں تمام تر کوشش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سُنت کی حمایت اور دفاع کے لیے کی جاتی ہے۔ (20)

اُصولِ حدیث کے مباحث:

علم اُصولِ حدیث کے تحت درج ذیل مباحث خاص طور پر اہمیت کے حامل ہیں:

1۔ نقلِ حدیث کی کیفیت وصورت، نیز یہ کہ وہ کس کا فعل وتقریر ہے؟
2۔ نقلِ حدیث کے شرائط، اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہ نقل کی کیا کیفیت رہی۔
3۔ سند ومتن کے اعتبار سے حدیث کی اقسام۔
4۔ اقسام حدیث کے احکام۔
5۔ راویانِ حدیث کے احوال، یعنی: اُن کی جرح وتعدیل کا علم۔
6۔ راویانِ حدیث کی شرائط۔
7۔ مصنفاتِ حدیث۔
8۔ اصطلاحاتِ فن وغیرہ۔

2) علم درایت:

ابن الاکفانی اپنی کتاب 'ارشاد القاصد' میں لکھتے ہیں:

عـلمٌ يعرف منه حقيقة الرِّواية، وشُروطها، وأنواعها، وأحُكامها، وحال الرُّواة، وشُروطهم وأصْنَاف المرويات، وما يتعلق بها. (21)

ترجمہ: یہ وہ علم ہے، جس کے ذریعے روایت کی حقیقت، اُس کی شرائط، اقسام واحکام کی معرفت ہوتی ہے، اسی طرح راویوں کے حالات، اُن کی شرائط اور مرویات کی اقسام اور اُن سے متعلق چیزوں کی پہچان ہوتی ہے۔

'فتاویٰ رضویہ' میں علم روایت کے ساتھ ساتھ علم درایت کا بھی ایک معتد بہا ذخیرہ ملتا ہے، اُصولِ حدیث کے مباحث میں خصوصاً نمبر ۴، ۵ اور ۸ سے متعلق بعض اوقات ایسی تحقیق ملتی ہے، جو دیگر علماء کی کُتب میں ایک جگہ نہیں ملتی، ہم

اپنے دعویٰ کی دلیل میں چند عبارات پیش کرتے ہیں، مثلاً یہ سوال اصولِ حدیث میں یہ سوال نہایت اہمیت کا حامل ہوتا ہے کہ موضوعیتِ حدیث کیسے ثابت ہوتی ہے؟ علماءِ فن نے اس سے متعلق مختلف قواعد وضوابط مقرر کیے ہیں، مولانا احمد رضا حنفی تمام کالبِ لباب پندرہ چیزوں میں یوں ذکر کرتے ہیں:

''موضوعیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ اس روایت کا مضمون (1) قرآن عظیم (2) سنتِ متواترہ (3) یا اجماعِ قطعی قطعیات الدلالۃ (4) یا عقلِ صریح (5) یا حسنِ صحیح (6) یا تاریخِ یقینی کے ایسا مخالف ہو کہ احتمالِ تاویل وتطبیق نہ رہے۔

(7) یا معنیٰ شنیع وقبیح ہوں جن کا صدور حضور پُرنور صلوات اللہ علیہ سے منقول نہ ہو، جیسے معاذ اللہ کسی فساد یا ظلم یا عبث یا سفہ یا مدحِ باطل یا ذمِ حق پر مشتمل ہونا۔

(8) یا ایک جماعت جس کا عدد حدِ تواتر کو پہنچے اور ان میں احتمالِ کذب یا ایک دوسرے کی تقلید کا نہ رہے اُس کے کذب وبطلان پر گواہی مستنداً الی الحس دے۔ میں نے اس (مستنداً الی الحس) کا اضافہ کیا، کیونکہ تواتر کا اعتبار حسیات کے علاوہ میں نہیں ہوتا جیسے کہ علماء نے اصول میں اس کی تصریح کی ہے۔

(9) یا خبر کسی ایسے امر کی ہو کہ اگر واقع ہوتا تو اُس کی نقل وخبر مشہور ومستفیض ہو جاتی، مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں پتا نہیں۔

(10) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ وبشارت یا صغیر امر کی مذمّت اور اس پر وعید وتہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جنہیں کلام معجز نظام نبوت سے مشابہت نہ رہے۔ یہ دس صورتیں تو صریح ظہور ووضوحِ وضع کی ہیں۔

(11) یا یوں حکم وضع کیا جاتا ہے کہ لفظ رکیک وسخیف ہوں جنہیں سمع دفع اور طبع منع کرے اور ناقل مدعی ہو کہ یہ بعینہا الفاظِ کریمہ حضور افصح العرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنی کا نہ ہو۔

(12) یا ناقل رافضی حضراتِ اہلبیت کرام علیٰ سیدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو اُس کے غیر سے ثابت نہ ہوں، جیسے حدیث: (لَحْمُکَ لَحْمِیْ وَدَمُکَ دَمِیْ)۔

أقول: انصافاً یوں ہی وہ مناقبِ امیر معاویہ وعمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ صرف نواصب کی روایت سے آئیں کہ جس طرح روافض نے فضائل امیر المؤمنین واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں قریب تین لاکھ حدیثوں کے وضع کیں، یونہی نواصب نے مناقبِ امیر معٰویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حدیثیں گھڑیں۔

(13) یا قرائن حالیہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع سے یا غضب وغیرہما کے باعث ابھی گھڑ

کر پیش کر دی ہے جیسے حدیثِ سبق میں زیادتِ جناح اور حدیث ذمِ معلمین اطفال۔

(14) یا تمام کتب وتصانیفِ اسلامیہ میں استقرائے تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتا نہ چلے یہ صرف اَجلہ حفاظ ائمہَ شان کا کام تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم۔

(15) یاراوی خود اقرارِ وضع کر دے خواہ صراحۃً خواہ ایسی بات کہے جو بمنزلۂ اقرار ہو، مثلاً ایک شیخ سے بلا واسطہ بدعوی سماع روایت کرے، پھر اُس کی تاریخِ وفات وہ بتائے کہ اُس کا اس سے سُننا معقول نہ ہو۔ یہ پندرہ باتیں ہیں کہ شاید اس جمع وتلخیص کے ساتھ ان سطور کے سوا نہ ملیں''، مختصراً۔(22)

مولانا احمد رضا حنفی نے اصطلاحاتِ فن حدیث سے متعلق وہ باریکیاں بیان کی ہیں، جنھیں آپ کے بعض معاصرین درست سمجھ نہ سکے اور کلماتِ تعدیل کو کلماتِ جرح میں تبدیل کر دیا، مثلاً: لفظِ متشیع کو رافضی بنا دیا اور ثقہ یا صدوق یہم کو وہمی بنا دیا۔

مولانا نے تشیع اور رفض سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تقریب التہذیب'' کے قول رُمِیَ بِالتَّشَیُّع سے دھوکا کھا کر راوی پر رفض کا عیب لگانا نری جہالت ہے، رفض وتشیع میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ بسا اوقات لفظ تشیع کا اطلاق حضرت مولا علی کو عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہما پر فضیلت دینے پر ہوتا ہے حالانکہ یہ بالخصوص ائمہَ کوفہ کا مذہب ہے، صاحب ''تقریب'' نے خود بھی ''ہدی الساری'' میں فرمایا: تشیع حضرت علی کی صحابہ سے زائد محبت کا نام ہے، تو اگر کوئی آپ کو ابوبکر وعمر پر فضیلت دیتا ہے تو وہ غالی شیعہ ہے اور اس کے ساتھ گالی اور بغض کا اظہار کرے تو غالی رافضی ہے۔ الخ''۔

''تہذیب التہذیب'' میں ہے:

ترجمہ: ''عرفِ متقدمین میں تشیع سے مراد شیخین کو دیگر صحابہ پر فضیلت دینے کے ساتھ سیدنا علی بن ابی طالب کی عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہما پر فضیلت ماننے کو کہا جاتا تھا، اگر چہ حضرت علی اپنی جنگوں میں مصیب اور اُن کا مخالف خطا پر تھا۔ بعض کا یہ نظریہ بھی ہے کہ حضرت علی رسول اللہ ﷺ کے بعد سب مخلوق سے افضل ہیں، اگر اس طرح کا اعتقاد رکھنے والا متقی، دین دار اور سچا ہو تو محض اس وجہ سے اُس کی روایت کو ترک نہیں کیا جائے گا جبکہ وہ اپنے اس اعتقاد کا داعی نہ ہو۔ جبکہ عرفِ متأخرین میں تشیع سے مراد محض رفض ہے، لہٰذا غالی رافضی کی روایت مقبول نہیں نہ ہی اُس کے لیے کسی قسم کی کرامت ہے۔ الخ''۔(23)

ایک اور مقام پر لیس بالقوی، لیس بالمتین اور لیس بقوی لیس بمتین کا فرق بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

میاں سید نذیر حسین دہلوی صاحب مغیرہ بن زیاد موصلی نامی راوی کے بارے میں معیار الحق میں لکھتے ہیں:

اور دوسری روایت یہ ہے کہ روایت کی طحاوی نے عائشہ سے قالت: **کان رسول اللہ ﷺ یؤخر الظہر ویقدم العصر ویؤخر المغرب ویقدم العشاء**۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ آن حضرت ﷺ تاخیر کرتے ظہر میں اور مقدم کرتے عصر کو اور تاخیر کرتے مغرب میں اور مقدم کرتے عشاء کو۔

ابطال جمع صوری بدلیل عقلی:

پس اس کا جواب یہ ہے کہ ایک راوی اس کا مغیرہ بن زیاد موصلی ہے اور یہ شخص مجروح ہے کہ وہمی تھا قالہ الحافظ فی التقریب۔(24)

مولانا احمد رضا خان حنفی نے اس کا جواب یوں دیا:

حدیث اُم المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مروی امام طحاوی ونیز امام احمد وابن ابی شیبہ استاذان بخاری ومسلم کے رَد کو پھر وہی معمولی شگوفہ چھوڑا کہ ایک راوی اس کا مغیرہ بن زیادہ موصلی ہے اور یہ مجروح ہے کہ وہمی تھا **قالہ الحافظ التقریب**۔

اقول اوّلاً: تقریب میں صدوق کہا تھا، وہ صندوق میں رہا۔

ثانیاً: وہی اپنی وہمی نزاکت کہ **لہ أوھام** کو وہمی کہنا سمجھ لیا۔

ثالثاً: وہی صحیحین سے پُرانی عداوت تقریب دُور نہیں دیکھئے تو کتنے رجال بخاری ومسلم کو یہی **صدوق لہ أوھام** کہا ہے۔

رابعاً: مغیرہ رجال سنن اربعہ سے ہے امام ابن معین وامام نسائی دونوں صاحبوں نے بآں تشدد شدید فرمایا: **لیس بہ باس ، زاد یحییٰ لہ حدیث واحد منکر** ، لاجرم وکیع نے ثقہ، ابوداوٗد نے صالح، ابن عدی نے عندی لاباس بہ کہا، تو اس کی حدیث حسن ہونے میں کلام نہیں اگر چہ درجۂ صحاح پر بالغ نہ ہو جس کے سبب نسائی نے لیس بالقوی ابواحمد حاکم نے لیس بالمتین عندھم کہا، **لا أنہ لیس بقوی لیس بمتین وشتان ما بین العبارتین**۔ حافظ نے ثقہ سے درجہ صدوق میں رکھا اس قسم کے رجال اسانید صحیحین میں صدہا ہیں۔(25)

مقالہ نگار کا تجزیہ:

ہم یہاں علماءِ فن کے حوالے سے لیس بالقوی، لیس بالمتین اور لیس بقوی لیس بمتین جیسے کلماتِ متقاربہ کا فرق لکھتے ہیں، تاکہ ان کی اصلیت واضح ہو جائے۔

لیس بالقوی اور لیس بقوی:

لیس بالقوی: علماءِ فن اس کے بارے میں لکھتے ہیں: **إنّ قولنا لیس بالقوی لیس بجرح مفسد.** یعنی: لیس بالقوی جرح مفسد نہیں ہے۔ امام ذہبی ''الموقظہ'' میں فرماتے ہیں:

إذا قال أبو حاتم: ليس بالقوي يريد بها أنّ هذا الشيخ لم يبلغ درجة القوي الثبت۔(26)
علماءِ فن لکھتے ہیں کہ لیس بقوی مطلقاً قوت کی نفی کرتا ہے اگرچہ مطلق ضعف ثابت نہیں ہوتا، اور لیس بالقوی قوت کے درجۂ کمال کی نفی کرتا ہے۔ یعنی: جب یہ کلمات دو افراد کے لیے کہا جائے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ دونوں راوی ایک درجہ کے نہیں ہیں۔(27)

لیس بالمتین اور لیس بمتین:

علماءِ فن فرماتے ہیں کہ لیس بمتین مطلقاً قوت کی نفی کرتا ہے اور لیس بالمتین قوت کے درجۂ کمال کی نفی کرتا ہے۔ یعنی: جب یہ کلمات دو افراد کے لیے کہے جائیں تو مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ دونوں راوی ایک درجہ کے نہیں ہیں۔(28)
فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے علومِ حدیث کی جو مختلف صورتیں مقالہ نگار نے جا بجا دیکھی ہیں، اُن میں سے چند چیزیں اختصار کے ساتھ نقل کرتا ہے، یہ چند چیزیں بجائے خود اپنی اپنی جگہ ایک مستقل تحقیقی مقالہ لکھے جانے کا تقاضا کرتی ہیں:

ا۔ تخریج کرتے ہوئے کثرتِ مراجع کا ہونا:

عموماً کسی حدیث کی تخریج کرتے ہوئے چند ایک مراجع کے ذکر پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے، لیکن مولانا احمد رضا خان اپنے فتاویٰ میں اکثر تخریج کرتے ہوئے استکثارِ مراجع پر نظر رکھتے ہیں، چنانچہ ایک جگہ خود لکھتے ہیں: تخریج احادیث میں اکثر استکثار پر نظر رکھی، ناظر متفحص بہت حدیثوں میں دیکھے گا کہ کُتبِ علماء میں انہیں صرف ایک یا دو مخرجین کی طرف نسبت فرمایا اور فقیر نے چھ چھ سات سات نام جمع کیے(29)۔

۲۔ متنِ حدیث کی تصحیح وتحسین وتضعیف بیان کرنا:

آج کے جدید دور میں اُصولِ تحقیق وتنقیح میں نئے نئے اضافے کیے جا رہے ہیں، محققینِ عرب خصوصاً کُتبِ احادیث یا کسی اور فن کی تصنیف میں وارد احادیث کی تصحیح وتحسین اور تضعیف کا اہتمام کرنے لگے ہیں، جن سے قاری کو اِن کُتب میں وارد احادیث کی صحت وضعف کا علم ہو جاتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے آج سے تقریباً ایک صدی پہلے ہی اس اصول کے تحت اپنے فتاویٰ میں متونِ اسانید کی تصحیح وتحسین وتضعیف کا اہتمام کیا تھا، نیز اس سلسلے میں ماہرینِ فن کی آراء سے دلائل مہیا کیے تھے، چنانچہ ایک جگہ اس اصول کو خود ذکر کرتے ہیں: ''متونِ اسانید کی تصحیح وتحسین کی طرف جو تلویح ہے، اس کا ماخذ بھی ائمۂ شان کی تنصیص وتصریح ہے''(30)۔

۳۔ متونِ روایات میں کلماتِ مختلفہ کی نشاندہی:

مولانا احمد رضا جہاں تخریج کے وقت استکثارِ مراجع کا لحاظ رکھتے ہیں، وہیں متونِ راویات میں واقع کلماتِ مختلفہ کی طرف اشارہ بھی کر دیتے ہیں، تاکہ قاری کو یہ وہم نہ ہو کہ تمام روایات میں الفاظ ایک جیسے ہی ہیں(31)۔

۴۔اسانید روایات میں متفرق رواۃ کی نشاندہی:

متونِ روایات میں واقع کلماتِ مختلفہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اسانید میں مختلف رواۃ کا ذکر ضرور کر دیتے ہیں خصوصاً حضرات صحابہٴ کرام کے اسماء میں یہ اہتمام ضرور کرتے ہیں۔ایک ہی روایت کے متن، اس کے مختلف کلمات اور رواۃ کا مستحضر ہونا، یقیناً مولانا کی پختہ ذکاوت اور قوی حافظہ کی دلیل ہے(32)۔

۵۔سند کے متکلم فیہ راوی کا ازخود ذکر کرنا:

دیانتِ علمی یہ ہوتی ہے کہ اپنے دلائل میں اگر کسی روایت کا کوئی راوی متکلم فیہ ہو تو اُسے کھلے دل سے تسلیم کیا جائے، نہ کہ اُس پر پردہ ڈال کر لوگوں سے پوشیدہ رکھا جائے۔مولانا کا تعلق چونکہ فقہِ حنفی سے ہے، لہذا فتاویٰ میں اگر کسی مسئلہ کے تحت فقہِ حنفی کی کوئی مستدل روایت کی سند میں کوئی متکلم فیہ راوی ہو تو اُس کی نشاندہی کر دیتے ہیں، پردۂ خفاء میں نہیں رکھتے، لہٰذا مقالہ نگار اسے ایک علمی دیانت سمجھتا ہے، جس کا ذکر علمی منہج کے تحت ضروری ہے، نیز یہ علمی دیانت بدرجہ اتم فتاویٰ رضویہ میں پائی جاتی ہے(33)۔

۶۔متکلم فیہ رواۃ پر کلام کر کے درست فیصلہ کرنا:

اگر سند کا کوئی راوی متکلم فیہ ہو تو اس کی ممکنہ دو صورتیں ہیں: ۱) واقعی مجروح ہوگا یا ۲) نہیں ہوگا۔اگر متکلم فیہ راوی واقعی مجروح ہو تو بلا جھجک جرح قبول کر لیتے ہیں اور اگر مجروح نہ ہو تو جرح کو دلائل سے رد کر دیتے ہیں(34)۔

۷۔غیر معتبر جرح پر گرفت کرنا:

اگر کسی نے بطور اعتراض راوی پر ایسی جرح کی ہو جو اصولِ حدیث کے تحت غیر معتبر ہو، تو مولانا اُس پر علمی مواخذہ کرتے ہوئے اُسے رد کر دیتے ہیں، نیز دلائل سے اُس راوی کی توثیق ثابت کرتے ہیں(35)۔

۸۔مجمل روایت کی تفصیل ذکر کرنا:

امام الشان ابوحاتم فرماتے ہیں کہ جب تک ہم حدیث کو ساٹھ وجہوں سے نہ پڑھتے ہمیں حدیث سمجھ نہیں آتی تھی۔جس طرح قرآن کریم کی بعض آیات دوسری آیات کے اجمال کی وضاحت کرتی ہیں، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا معاملہ بھی ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے مختلف اوقات وحالات میں مختلف افراد کے لیے ایک ہی بات کبھی اجمالاً بیان کی کبھی تفصیل سے۔یا کبھی محدثین کرام ہی احادیث کو کسی غرضِ صحیح کے لیے مختصر ذکر کرتے ہیں کبھی تفصیل سے۔ مولانا احمد رضا خان اپنے فتاویٰ میں مجمل روایات کو مفصل کرنے والی روایات ذکر کر کے ممکنہ اعتراض کو دفع کرتے ہیں(36)۔

ان کے علاوہ یہ بھی قابلِ ذکر ہیں، جو فتاویٰ کے مطالعہ کے دوران سامنے آئیں: ا۔مخالف پر الزامی جواب

قائم کرنا۔۲۔فوائد اصولیہ کی وضاحت اور نئے اُصول وضع کرنا۔۳۔مخالف کی رائے کونظرِ صحیح سے رد کرنا۔۴۔صحابی کے موقفِ اول وآخر کی وضاحت کرنا۔۵۔روایات میں ناسخ ومنسوخ کو بتانا۔ ۶۔براعتِ استہلال کے ذریعے مصطلحات کی تعلیم دینا۔۷۔مبہم راوی کی تعیین کرنا۔۸۔اپنی ذاتی کُتبِ حدیث میں روایات کے مختلف الفاظ کی وضاحت حاشیہ میں کرنا

۹۔ متن وحواشی میں حدیث کی تخریج کرنا۔۱۰۔موضوع احادیث کی نشاندہی کرنا۔۱۱۔اپنی کُتب کے تاریخی نام رکھنا۔۱۲۔شرحِ حدیث بالحدیث کا اہتمام۔۱۳۔راوی کے سماع یا عدم سماع کے بارے میں کسی سے ہونے والے تسامح کی نشاندہی کرنا۔۱۴۔شرحِ حدیث میں کلماتِ علماء میں بعض کو ترجیح دینا۔۱۵۔شرحِ حدیث میں معروضی انداز اختیار کرنا۔یہ تحقیقی دنیا کا ایک بہترین طریقہ ہے،خود اشکال وارد کرکے اُس کو دور کرنا۔۱۶۔ نسبتِ حدیث میں تسامح پر خبردار کرنا۔۱۷۔اعترافِ عجز کرنا،مثلاً یہ حدیث یا روایت مجھے نہیں ملی۔۱۸۔مروی روایات کے اختصار کی نشاندہی کرنا۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ 'فتاویٰ رضویہ' میں علوم حدیث سے متعلق بہت سے نایاب گوہر موجود ہیں،جن پر مختلف مضامین کے تحت تحقیقی مقالہ جات لکھے جاسکتے ہیں، بلکہ لکھنے کی ضرورت ہے،تاکہ علوم حدیث میں فتاویٰ رضویہ کا مقام ومرتبہ واضح ہو،جس طرح علمِ فقہ میں اس کا مقام ومرتبہ مسلم ہے،واللہ تعالیٰ اعلم۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العلمین.

☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

(1) احمد رضا خان،فتاویٰ رضویہ،مقدمۂ کتاب،رضا فاؤنڈیشن لاہور،ربیع الاول 1427ھ/اپریل 2006،ج1،ص94۔
محمد ظفر الدین بہاری،حیاتِ اعلیٰ حضرت،کشمیر انٹرنیشنل پبلی شرز لاہور،2004ء،حصہ اول،ص102-103۔

(2) حیاتِ اعلیٰ حضرت،کشمیر انٹرنیشنل پبلی شرز لاہور،2004ء،حصہ اول،ص112-113۔

(3) حیاتِ اعلیٰ حضرت،کشمیر انٹرنیشنل پبلی شرز لاہور،2004ء،حصہ سوم،ص295-296۔

(4) مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی، جامع الاحادیث،شبیر برادرز لاہور، اشاعتِ ثانیہ 1424ھ/2003ء، ج1، ص407۔

(5) مولانا عبدالحی لکھنوی،نزہۃ الخواطر،نور محمد کُتب خانہ کراچی،1396ھ/1976ء،جزء8،ص40-41۔
مولانا یٰسین اختر مصباحی،امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں،مکتبہ رضویہ آرام باغ روڈ کراچی،ص130۔

(6) ایضاً ص127۔

(7) مولانا محمد ظفر الدین بہاری، حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ دوم، ص 58۔
وتصانیف امام احمد رضا، ص 20۔
(8) فتاویٰ رضویہ، پیش لفظ از حافظ عبدالستار سعیدی، رضا فاؤنڈیشن لاہور، ربیع الاول 1427ھ/اپریل 2006ء، ج 1، ص 5۔10۔
(9) پروفیسر محمد مسعود احمد ڈاکٹر، محدث بریلوی، ادارہ مسعودیہ کراچی، 2004ء، ص 101۔102۔
(10) امام جلال الدین سیوطی، تدریب الراوی فی تقریب النواوی، مکتبۃ الکوثر ریاض، طبعہ ثانیہ، رجب 1415ھ، جزء 1، ص 19۔
نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ، مکتبۃ البشری کراچی، 1432ھ/2001ء، ص 36۔
علامہ عبدالعزیز بن احمد پرہاروی، کوثر النبی وزلال حوضہ الروی، مخطوط، ص 2۔
محمد انور مگھالوی ابوالعرفان، ضیاء علم الحدیث، ضیاء القرآن پبلی کیشنز نومبر 2011ء، جزء اول، ص 21-22۔
(11) شیخ عبدالحق دہلوی، لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح، مقدمۃ الکتاب، مکتبۃ المعارف العلمیہ لاہور، 1390ھ/1970ء،
ج 1، ص 22۔ تدریب الراوی، جزء، ص 29۔
(12) کوثر النبی، ص 3۔
(13) تدریب الراوی، جزء 1، ص 27۔ ضیاء علم الحدیث، جزء ثانی، ص 20-21۔
(14) تدریب الراوی، جزء 1، ص 27۔
(15) تدریب الراوی، جزء 1، ص 27۔
جامع الاحادیث، ج 1، ص 488۔
ضیاء علم الحدیث، جزء اول، ص 20-21۔
(16) امام جلال الدین سیوطی، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، جزء 1، ص 25۔23۔
(17) امام جلال الدین سیوطی، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، جزء 1، ص 25۔24۔
(18) تدریب الرادی، جزء 1، ص 2۔ ضیاء علم الحدیث، جزء ثانی، ص 332، جامع الاحادیث، ج 1، ص 90۔
(19) ضیاء علم الحدیث، جزء ثانی، ص 331۔
(20) ضیاء علم الحدیث، جزء ثانی، ص 332۔
(21) تدریب الراوی، جزء 1، ص 26۔
(22) فتاویٰ رضویہ، ج 5، ص 460-462۔
(23) فتاویٰ رضویہ، ج 28، ص 78-77۔
(24) میاں سید نذیر حسین دہلوی، معیار الحق، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، 2007ء، ص 338۔
(25) فتاویٰ رضویہ، ج 5، ص 184-185۔
(26) الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث، ص 83۔
(27) محمد بن احمد بن عثمان، ابوعبداللہ ذہبی، کتاب السلسبیل فی شرح الفاظ وعبارات الجرح والتعدیل، دار الامام البخاری، قطر طبعہ

اولیٰ 1428ھ، ص 79-80۔

(28) ایضاً۔

(29) فتاویٰ رضویہ، ج5، ص 59-60، و 102-105 وغیرہ۔

(30) ایضاً رسالہ: تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، ج30، ص 262۔

(31) ایضاً، ج30، ص 238-239۔ و ج5، ص 192-191۔

(32) ایضاً، ج5، ص 167، و ص 190-192، و ص 198-196۔

(33) ایضاً، ج5، ص 510، و 525-527۔

(34) ایضاً، ج5، ص 174-175۔

(35) ایضاً، ج5، ص 200-205۔

(36) ایضاً، ج5، ص 176-179، و 190-198۔

☆☆☆